ملایشیا کی صورت حال

اظہر اقبال

نائب وزیراعظم انور ابراہیم کی برطرفی، گرفتاری، الزامات، مقدمات اور اس پر عوامی ردعمل نے ملایشیا کو عالمی ذرائع ابلاغ کی توجہ کا مرکز بنا دیا ہے۔ ملایشیا جنوب مشرقی ایشیا کی مسلم اکثریتی ریاست ہے جسے تاریخی طور پر ملایا کہا جاتا رہا ہے۔ یہ اپنی سیاسی آزادی کے لحاظ سے عمر میں پاکستان سے دس سال چھوٹی ہے اور آبادی کے لحاظ سے کراچی سے کچھ زیادہ تقریباً ۱۸ ملین (ایک کروڑ اسی لاکھ) اور رقبے کے لحاظ سے مشرقی ملایشیا (صباح اور سراوک) کو ملا کر بہ مشکل ۳ لاکھ ۳۳ ہزار مربع کلومیٹر ہے جس میں دو لاکھ مربع کلومیٹر صباح اور سراوک کا علاقہ ہے۔ گویا اصل جزیرہ ایک لاکھ ۳۳ ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ رقبے کی کمی، آبادی کی قلت اور مختصر سیاسی آزادی کے باوجود جنوب مشرقی ایشیا ہی نہیں پورے عالم اسلام میں معاشی ترقی کی تیز رفتاری اور جمہوری روایات کے حوالے سے اسے ایک ممتاز مقام حاصل رہا ہے۔ ملایشیا کے وزیراعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد نے مغرب پر اپنی بے باک تنقید کی بنا پر عالم اسلام میں ایک باوقار قائد کا مقام حاصل کیا اور ملایشیا کو بطور ایک معاشی ماڈل کے پیش کیا جانے لگا۔

ڈاکٹر مہاتیر نے گذشتہ ایک عشرے میں ملائی (malay) ترقی کے بہت سے منصوبوں میں ملائی افراد کو بعض حقوق دے کر جہاں مسلم آبادی میں مقام احترام حاصل کیا وہیں اپنی اتحادی جماعتوں باریسان نیشنل، ہندی نژاد ملیشین انڈین کانگریس اور چینی نژاد سیاسی جماعتوں کے اتحاد سے "اومنو" (UMNO) یعنی متحدہ ملیشیا قومی تنظیم کو متحد کر کے اس کی قیادت کو سنبھالا اور اپنی محب وطن پالیسی کی بنا پر بہت جلد مقبولیت حاصل کر لی۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد ۱۹۸۱ میں پہلی دفعہ وزارت عظمیٰ اور حکمران پارٹی کی سربراہی پر فائز ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۵۵ سال تھی۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد انڈین نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کی سیاسی ضرورت تھی کہ ان کی ٹیم میں ملائی قوم (جو کہ کل آبادی کا ۵۵ فی صد اور ۱۰۰ فی صد مسلمان ہے) کا کوئی بااثر اور مقبول عام نوجوان راہنما شامل ہو۔ اس معیار پر کوئی پورا اترتا تھا تو وہ ملائیشیا کی تحریک اسلامی "آبیم" (ABIM) یعنی اتحاد الشباب الاسلامی کا سربراہ انور ابراہیم تھا جسے جلد یا بدیر عملی سیاست میں آنا تھا۔ مہاتیر کی نظر انتخاب انور ابراہیم پر پڑی اور وہ اسے "اومنو" میں شامل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

انور ابراہیم ۱۹۷۱ میں قائم ہونے والی مسلم یوتھ موومنٹ، "آبیم" کے بانی افراد میں شامل تھے اور پہلے سال ہی نائب سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اگلے دو سال سیکرٹری جنرل منتخب ہوتے رہے اور اپنی قائدانہ صلاحیت اور محنت کے بل بوتے پر ۱۹۷۴ میں "آبیم" کے صدر منتخب ہو گئے۔ یونی ورسٹی آف ملایا میں معاشیات کی تعلیم کے دوران طلبہ کے بہت سرگرم اور مقبول راہنما تھے۔ تعلیم کے اختتام کے بعد بھی نوجوانوں میں دعوت اسلام سرگرمیوں کے باعث کئی بار پس دیوار زنداں کیے گئے۔ مسلسل نو سال تک "آبیم" کے صدر منتخب ہوتے رہے۔ ۱۹۸۳ میں انھوں نے عملی سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی فطری سیاسی پارٹی "پاس" (PAS، اسلامی تحریک ملائیشیا) میں شامل ہونے اور اس کی متوقع قیادت پر فائز ہونے کی بجائے حکمران پارٹی "اومنو" میں شامل ہو گئے۔ "آبیم" کی قیادت نے ان کو اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے اور اپنے اس فلسفے کا اظہار کرتے رہے کہ وہ "اومنو" میں شمولیت کے نتیجے میں، جو قیام ملائیشیا (۱۹۵۷) سے لے کر اب تک مسلسل برسر اقتدار چلی آ رہی ہے، زیادہ بہتر طریقے پر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کر سکیں گے۔

انور ابراہیم کو "اومنو" کے یوتھ گروپ کا سربراہ بنا دیا گیا۔ اس پر مہاتیر کو اپنی پارٹی کے اندرونی حلقوں کی مخالفت بھی برداشت کرنا پڑی اور انور ابراہیم کی کافی شرائط بھی چار و ناچار ماننا پڑیں۔ انور ابراہیم نے اپنی غیر معمولی قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد پارٹی میں مقبولیت حاصل کر لی اور ڈاکٹر مہاتیر کے انتخاب کو درست ثابت کر دیا۔

ڈاکٹر مہاتیر محمد مسلسل سترہ سال سے وزارت عظمیٰ اور پارٹی کی سربراہی پر فائز ہیں اور اب فطری طور پر اپنے متبادل کی فکر میں تھے اور قوم بھی "اومنو" پر اعتماد کے باوجود اب نئی لیڈر شپ کا تقاضا کر رہی تھی۔ تین

سال قبل یہ بات تقریباً طے تھی اور معلوم و معروف تھی کہ انور ابراہیم آیندہ وزیراعظم ہوں گے۔ گذشتہ دنوں مہاتیر دو ماہ کی چھٹی پر گئے تو تمام معاملات ان کے ہی حوالے کیے۔ مگر نسلی حکمرانوں کی اولاد اور دیگر مفاد پرستوں نے سمجھ لیا تھا کہ جب تک انور کو راستے سے نہیں ہٹایا جاتا' ان میں سے کسی کو بھی آگے بڑھنے کا موقع نہ مل سکے گا۔ لہٰذا سینیٹر زین الدین' ۶۱ سالہ ماہر معاشیات رزالی (Razaleigh' جو ۱۹۸۷ میں پارٹی صدارت کے الیکشن میں ڈاکٹر مہاتیر کا مخالف امیدوار تھا)' ۵۸ سالہ وزیر خارجہ عبداللہ بداوی' ۴۵ سالہ وزیر تعلیم نجیب تن رزاق (سابق وزیراعظم تن عبدالرزاق کا بیٹا)' عبدالرحیم چک (سابق چیف منسٹر آف ملاکا سٹیٹ) اور سبار الدین چک سیکرٹری جنرل "اومنو" سرگرم عمل ہو گئے۔ ایک طرف انھوں نے ڈاکٹر مہاتیر کے قریب ہونے کی کوشش کی اور اس کی تمام پالیسیوں کی ضرورت سے زیادہ تعریف کرتے رہے مگر دوسری طرف انور ابراہیم اور ڈاکٹر مہاتیر کے درمیان بعض امور پر اختلاف رائے کو ہوا دے کر خلیج کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہے۔

انور ابراہیم کا "اومنو" میں شامل ہونا خود وہاں کی تحریک اسلامی "آبیم" اور "پاس" کے لیے حیرت اور صدمے کا باعث بنا' لیکن دونوں تحریکات نے جلد اس حقیقت کو سمجھا کہ سیاسی تعلقات اور رابطوں میں بعض اوقات تحریکات اسلامی کے اکابر یا خود تحریکات کو مصالح کی بنا پر ایسے اتحاد کرنے پڑتے ہیں جو بظاہر حیران کن معلوم ہوتے ہیں۔ سادہ الفاظ میں مہاتیر نے اپنی پارٹی کے مفاد میں انور ابراہیم کو اپنے ساتھ شامل کیا اور ۱۳ سال تک انور ابراہیم کی صلاحیتوں سے پورا فائدہ اٹھاتے رہے۔ انور ابراہیم نائب وزیر مذہبی امور' وزیر برائے شباب' وزیر تعلیم اور وزیر مالیات رہنے کے بعد نائب وزیراعظم کے عہدے تک پہنچے اور خود "اومنو" کے ڈپٹی صدر بنے اور ڈاکٹر مہاتیر کی سیاسی تاریخ میں پہلی مرتبہ ان کی غیرموجودگی میں قائم مقام وزیراعظم کی حیثیت سے دو ماہ سے زائد حکومت کی۔ ڈاکٹر مہاتیر نے اس اعتماد کا اظہار اپنے کسی نائب پر کبھی نہیں کیا تھا۔ پھر اچانک سیاسی نقشے میں تبدیلی کیوں؟ بعض اوقات غیر معمولی اہم واقعات کے پیچھے بہت معمولی سے اسباب بھی ہوتے ہیں لیکن ملایشیا کی اس انقلابی تبدیلی میں محرکات ملے جلے ہیں۔

سب سے اہم بات یہ کہ انور ابراہیم کو "اومنو" کے اعلیٰ ترین عہدے تک پہنچے لیکن انھوں نے اپنی اسلام سے وابستگی اور تحریکات اسلامی سے اپنے تعلق کو کبھی کم نہ ہونے دیا اور اپنی ذاتی زندگی میں اسی سادگی کو برقرار رکھا جو تحریک اسلامی سے تربیت پانے والے کسی فرد میں ہونی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنی صلاحیت کی بنا پر ملایشیا ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح پر اپنی سوجھ بوجھ کو تسلیم کروایا۔ غالباً یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کی بنا پر ایک سال قبل ایک موقع پر' جب اتفاق سے ڈاکٹر مہاتیر اور انور ساتھ ساتھ ایک بیرونی ملک کے دورے پر گئے تو ڈاکٹر مہاتیر کے مقابلے میں انور ابراہیم کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ جسے ڈاکٹر مہاتیر نے لازماً محسوس کیا۔ انور ابراہیم کے خطابات میں علمی اور فکری بالیدگی اور فکر میں تازگی کا اندازہ نہ

صرف اہل ملک بلکہ ہر ملنے والے کو ہوتا رہا۔ ڈاکٹر مہاتیر نے محسوس کیا کہ انور ابراہیم کی جاذب نظر شخصیت کے سامنے وہ اپنی اہمیت کھوتے جا رہے ہیں۔

ایک بالغ نظر سیاست دان کے لیے ایسے مواقع فیصلہ کن ہوتے ہیں اور قومی مفاد میں ایسے فیصلے بھی کرنے ہوتے ہیں جو ذاتی طور پر ناگوار ہوں۔ لیکن مہاتیر نے نوشتہ دیوار کو پڑھنے سے انکار کیا اور ایک ایسے فرد کو جسے خود انھوں نے ہر ممکنہ موقع اور امتحان سے گزار کر وزارت عظمیٰ کے عہدے کے لیے تیار کیا تھا، ایسے انداز میں ہٹایا جو ملایشیا میں ہی نہیں، ہر باوقار ملک اور فرد کے لیے افسوس ناک بلکہ شرم ناک کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر مہاتیر نے انور ابراہیم پر جو الزامات لگائے ہیں وہ اتنے بے معنی، بے بنیاد اور اس حد تک گرے ہوئے ہیں کہ ان کا نقل کرنا بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ایک ضمنی بات جو اس حوالے سے کہی گئی ہے جو کہ ایک طرح سے مغرب کی طرف سے انور ابراہیم کی حمایت ہے، یعنی انور مغرب کے پروردہ ہیں، جبکہ ڈاکٹر مہاتیر خود مشرقی فکر کے نمایندہ۔ انور ابراہیم کو جاننے والے جانتے ہیں کہ ان سے زیادہ مغرب کو ناپسند کرنے والا شخص غالباً "اومنو" میں کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

اس قضیے میں اول الذکر سبب کے علاوہ جو محرکات نظر آتے ہیں۔ وہ تین ہیں، اول: انور ابراہیم کی تحریکی جڑوں کی بنا پر "اومنو" کے سیکولر عنصر کی ناپسندیدگی۔ دوم: انور ابراہیم کی "اومنو" کے مفاد پرست اور معاشی بدعنوانیوں میں ملوث افراد کی گرفت جس میں خود ڈاکٹر مہاتیر بھی شامل ہیں، جن کے بڑے صاحبزادے ۲۸ قومی اور بین الاقوامی معاشی منصوبوں اور کمیٹیوں کے صدر ہیں اور جس کا اظہار انور نے بالواسطہ طور پر کیا۔ سوم: انور ابراہیم کی معاشی حکمت عملی جس میں انھوں نے ڈاکٹر مہاتیر کے منظور نظر افراد کے بھاری قرضوں کو معاف کرنے سے صاف انکار کابینہ کے اجلاس میں کیا اور اس طرح وہ اختلاف جو ایک سال سے ٹھنڈے انداز میں چل رہا تھا اچانک گرم ہو گیا۔

آج ملایشیا میں جو سیاسی انتشار پیدا ہوا ہے وہ کس رخ پر جائے گا اور مستقبل قریب میں کیا امکانات ہیں، اس پر یقین سے کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ لیکن جو بات صاف طور پر نظر آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ انور ابراہیم کے حق میں عوامی تحریک بہت جلد ڈاکٹر مہاتیر کے زوال کا سبب بنے گی (رسالہ Fortune نے ۲۶ اکتوبر کی اشاعت میں مہاتیر کو "Next Suharto" لکھا ہے) اور ریفارماسی (Reformasi) کا نعرہ ملک میں بڑی تبدیلی کا باعث بنے گا۔ "پاس" اور "آبیم" ایک دوسرے کے مزید قریب آئیں گی اور اسلامی تحریک کی سیاسی اثر انگیزی میں ان شاء اللہ اضافہ ہو گا۔ انور ابراہیم کی مقبولیت بڑھے گی اور ڈاکٹر مہاتیر کی عالمی اور قومی حیثیت کم سے کم تر ہو جائے گی۔